"یخ بستہ دہلیز" کے نوحے

Melancholies of "YAKH BASTA DEHLEEZ"

Muhammad Imran Mahil
Govt. College of Management Sciences jamrud, Khyber, Pakistan

Raj Muhammad Afridi
Department of Urdu Qurtaba university Hayatabad Peshawar, Pakistan

Abstract

"YAKH BASTA DEHLEEZ" is the collection of Dr Sayed Zubair Shah short stories which portrays the post 9/11 horrible scenario. This collection has 15 short stories at most and each short story is unique of its kind. Though the collection is the start of Dr Sayed Zubair, but one, while reading, can judge that the writer was already at a prominent distination of short story 'afsana'. From that distination, he observed the scenario from each angle and then through thorough care , he placed each aspect to the readers with accomplishment. Dr.S.Zubair Shah's "Yakhbasta dehleez" has the recurring themes like terrorism, fear, pashtoon traditions, political and economic plight, global and regional catastroph.In short, the collection of Dr Zubair shah is highly appreciable and worth-reading.The piece is grand, both from intellectual and artistic perspective.

Keywords: Dr.Zubair Shah, 21st century, Short story , Yakhbasta Dehleez, Melancholies, Fear , Terrorism , Symbols.

کلیدی الفاظ: ڈاکٹر زبیر شاہ،اکیسویں صدی،افسانہ،یخ بستہ دہلیز،نوحے،خوف، دہشت گردی،علامات۔

"یخ بستہ دہلیز" ڈاکٹر سید زبیر شاہ کے افسانوں کا وہ مجموعہ ہے جس میں 11/9 کے الم ناک حملے کے بعد لوگوں کے مختلف نوحے بیان کیے گئے ہیں۔اس مجموعے میں کل پندرہ(15)طبع زاد افسانے ہیں اور ہر افسانے کا موضوع اپنے اندر ایک جہانِ معنی رکھتا ہے۔ان کے افسانوں کا مطالعہ کر کے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر زبیر شاہ افسانوی ادب کی کون سی سیڑھی پر کھڑے ہیں اور ان کے افسانے کس نوعیت کے حامل ہیں۔

ڈاکٹر زبیر شاہ کا پہلا افسانوی مجموعہ "خوف کے کتبے" کے عنوان سے شائع ہوا لیکن اس مجموعے میں انہوں نے جو موضوعات اور فنی تجربات پیش کیے ہیں اور جس قدر دلکشی اور چابکدستی سے کہانیاں تراشی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ "خوف کے کتبے" موصوف کا ابتدائیہ نہیں بلکہ وہ پہلے سے افسانے کے ایک مقام پر کھڑے تھے، جہاں سے وہ اس میدان کا ہر زاویے سے مشاہدہ کرتے رہے اور پھر بالآخر پوری فن کاری کے ساتھ قاری کے سامنے ہر زاویہ رکھ دیا۔

جہاں تک ان کے دوسرے مجموعے "یخ بستہ دہلیز" کا تعلق ہے تو اس میں لکھاری کی فنی پختگی کا ایک مکمل احساس ملتا ہے اور وہ تشنگی جو "خوف کے کتبے" میں کہیں کہیں محسوس ہوتی تھی، "یخ بستہ دہلیز" کے افسانے اس کو مٹاتے ہوئے لگتے ہیں۔ ڈاکٹر زبیر شاہ کا مشاہدہ گہرا ہے اور اپنے قرب و جوار کے ماحول سے باخبر رہتے ہیں۔ جبھی تو ان کے ہاں مختلف النوع اور کثیر الجہت موضوعات نظر آتے ہے۔ وہ کسی بھی موضوع سے کتراتے نہیں اور نہ ہی روایتی سانچوں کے انحراف سے خوف زدہ رہتے ہیں بلکہ ہر موضوع پر ان کا قلم بے باکی اور بڑی مہارت کے ساتھ چلتا ہے۔ قدرت اللہ خٹک اپنے ایک مضمون میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> " عام طور پر ادیب عصر ہنگامی اور جدید موضوعات سے کتراجاتے ہیں۔ شاید وہ فن کے روایتی سانچوں سے بغاوت نہیں کر پاتے یا ان کو برتنے میں دشواری پیش آتی ہے لیکن ڈاکٹر زبیر شاہ روایتی سانچوں کے اسیر نہیں بلکہ انہوں نے اپنے فن کارانہ کمالات سے ان موضوعات میں چاشنی بھر کر ابدیت اور آفاقیت کی راہ دکھائی۔ "1

"یخ بستہ دہلیز" عصری شعور کا حامل مجموعہ ہے۔ اس میں شامل تمام کہانیاں مقتضائے حال سے موافقت رکھتی ہیں۔ عصرِ حاضر میں نوع انسان کو درپیش تمام چیلنجز کی نشاندہی اور گھمبیر مسائل کی عکاسی ان افسانوں کا خاصا ہے۔

" فصیلِ شب کے پار" اس مجموعے کا پہلا افسانہ ہے جس میں پشتون قبائل کے جذبۂ انتقام، غیرت کی رو میں بہہ کر ایک دوسرے کی بربادی اور فرسودہ روایات کا نوحہ بڑے مؤثر پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار دلبر خان ایک لڑکی کو بھگا کر اس کے ساتھ بیاہ کر لیتا ہے جس کی سزا دلبر خان کے پورے قبیلے اور خاندان کو ملتی ہے۔ افسانے میں "بزرگ" کا کردار مثبت سوچ اور نیکی کی علامت ہے، جو اپنے مرشد "رومی" کے اقوال صلح جوئی کی غرض سے سناتا ہے۔ بزرگ مصلحت کوش ہے لیکن لوگوں کے طعنے اور احساسِ غیرت کی کرچیاں اسے اپنے (پشتونوں کے) فرسودہ روایات کے آگے بے بس کر دیتا ہے۔

"پہلی قسط" "یخ بستہ دہلیز" کا دوسرا نوحہ ہے جو ازدواجی زندگی کے عذابوں کو بیان کرتا ہے۔ کہانی بڑی چابک دستی کے ساتھ تراشی گئی ہے۔ کہانی کے بعض جملے اس قدر گہری معنویت کے حامل ہیں کہ وہ مرد کی فطرت کو پوری طرح برہنہ کر کے پیش کرتے ہیں۔ مثلاً:

> "وہ اپنی بیوی اور بچوں کے لیے آخری حد تک جانے والا مرد تھا، مگر مرد کو وہ اس تتلی کے مانند سمجھتا تھا جو ہر پھول پر کم از کم ایک بار جا کر اپنا منہ ضرور رکھتا ہے اس کی خوشبو اور ذائقہ پسند آیا تو بار بار ورنہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر اس طرف جاتا ہی نہیں۔ "2

ڈاکٹر زبیر شاہ مختصر الفاظ میں جامع اور مکمل کہانی بیان کرنے کا فن جانتے ہیں جو نہ صرف افسانے کے لیے ایک ضروری امر ہے بلکہ ایک اچھے افسانہ نگار کی فنی خصوصیت اور مہارت سمجھی جاتی ہے۔ اس حوالے سے محمد احمد کی رائے محلِ نظر رہے۔ ان کا خیال ہے کہ:

> "اختصار افسانے کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ افسانہ نگار کو اس اختصار میں جامعیت پیدا کرنے کے لیے اشارے اور کنایے کی زبان استعمال کرنی پڑتی ہے ان اشاروں پر غور کرنے سے زندگی کے مسائل پر سوچ بچار کرنے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے۔ "3

اس رائے کی روشنی میں اگر زبیر شاہ کے افسانوں کا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ ان میں اختصار اور جامعیت بھی ہے اور اشاروں کنایوں کی زبان اور سوچ بچار کا سلیقہ بھی ہے۔ ٹائٹل افسانہ "یخ بستہ دہلیز" میں موضوع کا چناؤ انوکھا ہے۔ عزیز علی مرکزی کردار تراشا گیا ہے جو مسلسل دیارِ غیر میں رہنے کے باعث اس کی بیوی "عاشی" کے پیٹ میں کسی غیر مرد کا بچہ جنم لیتا ہے۔ عزیز علی کا کردار پورے افسانے میں پُراسرار سا رہا ہے۔ وہ بظاہر عاشی پر رحم کرنے والا شوہر معلوم ہوتا ہے مگر پسِ پردہ اس کا ردِ عمل چونکا دینے والا ہوتا ہے، مثلاً:

> "عاشی تم ایک بدقسمت ماں بن چکی ہو کہ اپنے بچے کے وجود سے بے زار ہو کر بھی اس کے منہ میں اپنا دودھ ڈالتی رہو گی مگر تمہاری مامتا کو کبھی سکون نہیں ملے گا۔۔۔۔۔ تمھارا یہ بچہ تمھارے لیے ایک ناسور ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ جتنے دن جیے گا، تم اُتنے دن مرو گی۔ "4

"جو تاریک راہوں میں مارے گئے" وطن عزیز کی سیاسی، نظریاتی اور عالمی قوتوں کی ریشہ دوانیوں کا آئینہ دار ہے۔ افسانہ اگرچہ علامتی ہے لیکن قابلِ فہم ہے۔ معمولی اشاروں اور کنایوں کی مدد سے قاری اس مقصد کی تہ تک پہنچ سکتا ہے جو کہانی کار کے پیشِ نظر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید علامتی افسانے سے اکثر قاری خوف زدہ نظر آتا ہے جس کی بنیادی وجہ گنجلک اور سمجھ سے بالاتر علامتوں کا استعمال ہے۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی جدید علامت نگاری پر اپنی رائے ثبت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> " نیا کہانی کار چونکانے کے طریقے تو زیادہ پسند کرتا ہے۔ وہ نہ تو قاری کا خیال رکھتا ہے اور نہ ہی ابلاغ کی حاصیت کا، بلکہ وہ پڑھنے والے میں صرف بے بسی کا احساس پیدا کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ وہ علامتوں کا ایک ایسا جنگل کھڑا کر دیتا ہے، جیسے ان جانے اور ان دیکھے خوف کی وجہ سے قاری یاد کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔"[5]

مذکورہ بالا رائے کی تائید یا تردید اپنی جگہ لیکن راقم الحروف کے خیال کے مطابق ڈاکٹر زبیر شاہ کی علامت نگاری اس نوعیت کی نہیں ہے۔ وہ قاری کو غیر ضروری ذہنی مشقت میں مبتلا کر کے بے بس نہیں کرتے بلکہ اپنی علامتوں میں اس کے لیے رسائی کا سامان بھی ساتھ ساتھ مہیا کرتے ہیں۔ یعنی قاری کو علامتوں کے جنگل میں کھڑا کر کے اسے خوف زدہ نہیں چھوڑتے بلکہ ان کو نکالنے کے لیے راستے کا تعین بھی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر اورنگزیب نیازی مصنف کے طرزِ بیان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "اس کے افسانوں کا بیانیہ سادہ، واقعات مربوط اور علامتی نظام اکہرا ہے اس لیے کوئی پیچیدگی یا چیستانی صورتِ حال بھی جنم نہیں لیتی۔"[6]

علاوہ ازیں زبیر شاہ چوں کہ خود پشتون قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ پشتونوں کے ہر نظام سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ اس کا اندازہ موصوف کے افسانوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً "وقت کے میلے ہاتھ" میں انہوں نے پنچائیت کے اندھے فیصلوں اور ظلم و جور کی عکس بندی بڑی چابک دستی کے ساتھ کی ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار ملک دین محمد ہے جو علاقے کا سرپنچ ہے۔ اس کا احساس اور ضمیر اس قدر مردہ ہے کہ تحقیق کیے بغیر ایک غریب گوالے کی بیٹی "ہاجرہ" کو نشانِ عبرت بنا کر اس کی رسوائی کا فیصلہ صرف اس لیے کرتا ہے تاکہ اس کی شان میں کمی نہ ہو۔ دنیاداری اور اپنی ساکھ کی خاطر اپنی مرضی کے فیصلے پشتون پنچائیت کی وہ گھسی پٹی روایت ہے، جس نے "ہاجرہ" جیسے بے بسوں اور بے زبانوں کی عزت اور زندگی داؤ پر لگا دی ہے۔

افسانہ "قربانی جو رائیگاں گئی" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں ایک ایسی عورت کے نوحے کا ذکر کیا گیا ہے جو اپنے بھائی اجمل شاہ کی زندگی بچانے اور دشمنی اور نفرت کی آگ بجھانے کی خاطر علاقائی رسم کے مطابق "سورہ" کی صورت میں شادی قبول کر لیتی ہے مگر بے سود۔ کیوں کہ اس کا عیار اور مکار بھائی اسے بہکا کر اس کے ہاتھوں اس کے شوہر کا قتل کرواتا ہے۔ کہانی سادہ بیانیہ میں لکھی گئی ہے مگر سسپنس برقرار ہے۔ اس لیے قاری کو آخر تک گرفت میں لے کر پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے فنِ افسانہ نگاری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ محض عالمی اور مقامی سطح پر پیش آنے والے بڑے بڑے واقعات کو مدِ نظر نہیں رکھتے بلکہ ان مکروہ مخفی عوامل کو تخلیقی سانچے میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں جو ایک خوردبیں نظر اور ماہر تخلیق کار ہی کر سکتا ہے۔ یہ عوامل یا تو اکثر فن کاروں کی تخلیقی نظروں سے اوجھل رہتے ہیں اور یا ان کے تخلیقی عمل میں دقت کا باعث بن کر نظر انداز کرتے ہیں۔ افسانہ "احساس کی کرچیاں" میں ایک ایسے موضوع کو لیا گیا ہے جن میں ایک سادہ کردار "ٹائیگر" کے ذریعے معاشرے کی بے حسی اور لاپروائی سامنے لائی گئی ہے۔ ٹائیگر بظاہر لوگوں کے خیال میں ایک پاگل ہے لیکن اس کے باطن میں محبت اور جذبات کا جو طوفان برپا ہے، معاشرہ اس سے غافل اور بے خبر ہے مگر اس کی محبت جب کسی اور کی ڈولی میں بیٹھ کر جاتی ہے تو ٹائیگر کے اندر موجود محبت کا یہ طوفان آنسوؤں کی صورت اختیار کر کے اس کی آنکھوں سے امڈتا ہے۔

مذکورہ مجموعے کا اگلا تجربہ "ہائبر نیشن" ہے جس میں علامتوں کا سہارا لیا گیا ہے لیکن یہ بھی فہم و تفہیم سے باہر نہیں۔ باپ بیٹا اور دادا تین مختلف نسلوں کے نمائندہ کردار ہیں۔ اس کہانی میں دہشت گردی، عوام کے ذہنی تناؤ، قتل و غارت گری، آمری حکمران کی زیادتی اور سیاست برائے اقتدار جیسے عوامل کا تاثر ابھارا ہے۔ شروع میں کہانی گنجلک معلوم ہوتی ہے مگر اصل پرتیں اُس وقت کھل کر قاری پر مقصد واضح کرتی ہیں، جب پوتا خواب دیکھ کر دادا کو سناتا ہے:

"میں نے دیکھا کہ خاکی کپڑوں میں ایک شخص آیا، اس نے بڑے بڑے بوٹ پہنے تھے اور چہرے پر بہ یک وقت مسکراہٹ اور حد درجہ سنجیدگی تھی۔ اس نے مجھے آٹا دیا لیکن جب میں نے اس آٹے کی بنی روٹی توے پر ڈالا تو پلک جھپکتے راکھ کا ڈھیر بن جاتی، پھر میں نے ایک ملنگ کی آواز سنی، جب دروازہ کھولا وہاں ایک اجرک پوش بابا کھڑا مسکرا رہا تھا، میں نے اس کو اپنی بھوک کا دکھڑا سنایا تو اس نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر، بھوک مٹانے کے لیے تھوڑی سی چینی دم کر کے دے دی، لیکن وہ چینی منہ میں ڈالتے ہی ایسی کڑواہٹ محسوس ہوئی جیسے کسی نے میرے منہ میں زہر ڈال دیا ہو۔"7

مذکورہ بالا حوالے میں خاکی کپڑوں میں ملبوس شخص کا آٹا دینا اور ملنگ کا چینی دم کر کے دینا واضح علامتیں ہیں جن کے ذریعے مصنف نے اپنے دل کی بات کامیابی سے بیان کر دی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایک ماہر نباض کی طرح معاشرے کے نبض کو ٹٹول کر مختلف بیماریوں کا کھوج لگاتے ہیں اور پھر مناسب اسلوب کا انتخاب کر کے نہ صرف سامنے لاتے ہیں بلکہ اس کا حل تلاش کرنے پر بھی اکساتے ہیں۔ "سرد صحرا کی پیاس"، "یخ بستہ دہلیز" کا نواں نوحہ ہے جس میں نفسیات کار جحان غالب ہے۔ چوں کہ عہدِ حاضر کے انسان اور جدید معاشرے میں نفسیات کا عمل دخل زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ مجموعے کے چند ایک افسانوں میں اس کا رنگ نمایاں ہے۔ "مس نرگس"، "سرد صحرا کی پیاس" کا نمائندہ کردار ہے، جس کا اصل چہرہ اور نفسیاتی رویوں کو مصنف نے فنی صداقت اور پوری سچائی کے ساتھ بے نقاب کیا ہے۔ "مس نرگس" سادیت (Sadism) کا شکار ہے، لیکن اس کا یہ رویہ محض مردوں تک محدود ہے۔ مردوں کو ذلیل کر کے اسے ایک طرح سے طمانیت کا احساس ہوتا ہے۔ افسانے کے چند فقرے ملاحظہ ہوں:

"وہ کبھی کسی کو ملازم سمجھ کر تکلیف نہیں دیتی تھی بلکہ مرد سمجھ کر جب مختلف حیلوں بہانوں سے ان کو ذہنی اذیت میں مبتلا رکھتی تو اس کے چہرے پر فتح مندی کی ایک مطمئن مسکراہٹ نمودار ہو جاتی۔"8

مزید برآں ڈاکٹر صاحب کی خوب صورت جملہ سازی نے کہانی کو مزید پُر لطف اور دل کش بنایا ہے جو ان کی فنی پختگی اور ہنر مندی کا ثبوت ہے۔ بعض جملے بہت سادہ مگر گہری معنویت کے حامل ہیں جو قابلِ ستائش ہیں۔ سماجیت اور حسیت کے جدید تقاضوں کے مطابق مصنف "یخ بستہ دہلیز" پر پھیلی کہانیوں میں اسلوب اور تکنیک کے نئے تجربات سے گزرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جس سے ان کی انفرادیت مزید نمایاں ہوتی ہے۔

افسانہ "کہانی ابھی باقی ہے" فقط نئے موضوع کو ہی سامنے نہیں لاتا بلکہ اس میں کہانی کار کے بیانیے کا نیا انداز بھی سامنے آتا ہے۔ قلم کار نے کہانی میں مضمون کی سی چاشنی پیدا کر کے امیر اور غریب طبقے کی کشمکش کی تصویر کشی نئے اور منفرد پیرائے میں کی ہے۔ "راجو" پسے ہوئے طبقے کا کردار ہے جس کے ذریعے حکومتِ وقت اور قبضہ مافیا کے مکروہ چہرے کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ یوسف عزیز زاہد مذکورہ افسانے کے موضوع اور بیانیے کے حوالے سے اپنی رائے یوں رقم کرتے ہیں:

"ہاؤسنگ سوسائیٹیوں اور قبضہ مافیا کے کارناموں کو افسانوی پیرائے میں بیان کرنا قدرِ مشکل کام ہے لیکن زبیر شاہ نے پوری مہارت سے اسے نبھایا ہے۔ اس افسانے میں اسلوبیاتی سطح پر ایک تجربہ بھی کیا گیا جو اچھا لگا۔"9

قدرت اللہ خٹک کے مطابق:

"اس افسانے کا انداز بیانیہ اور اس میں مضمون کی سی چاشنی پائی جاتی ہے جہاں قلم کار بذاتِ خود قاری کی ڈائریکشن کا تعین اور اُسے افسانہ آخر تک پڑھنے پر آمادہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس افسانے میں کہانی کی بُنت اور جامع تعریف بھی مل جاتی ہے۔"10

زبیر شاہ ہمیشہ زمان و مکان کے قریب رہ کر کہانی تراشتے ہیں۔ حقیقت اور واقعہ نگاری ان کے افسانوں کی جان ہے۔ وہ کسی بھی موڑ پر حقیقت کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ وہ خارجیت اور داخلیت کے امتزاج سے ایسا افسانہ تحریر کرتے ہیں جس میں حالات اور ماحول کی ترجمانی کے ساتھ قاری کے لیے ادبی چاشنی اور لطیف جذبات بھی موجود ہوتے ہیں۔ "ہجوم مرگ

میں زندگی" کے عنوان سے تحریر کردہ افسانہ علامتی لبادہ لیے ہوئے ہے جو سولہ (16) دسمبر 2014 کو آرمی پبلک سکول میں ہونے والی دہشت گردی کا المیہ بیان کرتا ہے۔ پیرایۂ اظہار اس قدر المناک اور پُر درد ہے کہ پڑھتے وقت جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قلم کار نے خونِ دل میں قلم ڈبو کر درجنوں شہید ہونے والے بچوں کے دُکھڑے کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ افسانے کے اختتامیہ جملے معصومیت، درد اور حقیقت کی آخری حدوں کو چھوتے ہیں۔

" گھر میں دانیال کی ماں کاغذ کے اس پُرزے پر آنسو بہا رہی تھی جس پر لکھا تھا، "ماں!۔۔۔۔۔اس ہجوم مرگ میں زندگی دشوار ہے۔۔۔۔۔۔۔جہاں تاریکیاں زندگی کو وقت سے پہلے نگل لیں وہاں سورج کو روشن رہنے کا کوئی حق نہیں۔"[11]

زبیر شاہ نے "یخ بستہ دہلیز" میں ایک سے زیادہ افسانے جنسی رجحان کے زیرِ اثر تحریر کیے ہیں۔ وہ جنس کو موضوع بنا کر معاشرے کے ان سربستہ رازوں کا پردہ چاک کرتے ہیں جن کی طرف عام رغبت کم ہی ہوتی ہے، لیکن سماج میں شدت اختیار کر چکی ہے۔ "مرگِ آرزو" اسے پہلو کی کہانی ہے جو شعور کی رو، صیغۂ واحد غائب اور نفسیاتی الجھن کا حسین امتزاج ہے۔ افسانے کا کردار "وہ" شدتِ جذبات سے سرشار ہے اور وہ ان جذبات کی رو میں بہ کر ایک پاؤں پر معذور رابعہ سے بیاہ کر لیتا ہے مگر بعد میں یہ بندن پچھتاوے کا سبب بنتا ہے۔ رابعہ معمولی شکل وصورت اور غیر رومانوی لڑکی ہے، جب کہ خاوند شاعر اور حساس دل ودماغ رکھتا ہے جس کو تسکین طبع کے لیے حسن درکار ہے۔ وہ اس پیاس کو بجھانے کے لیے اپنے موبائل میں حسین دوشیزاؤں اور رقاصوں کی تصویریں جمع کرتا ہے جو اس کی نفسیاتی الجھن کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس شدید احساس کے باعث وہ رابعہ کو اس کے میکے بھجوانے پر مجبور ہوتا ہے۔ تاہم احساسِ جرم اور احساسِ زیاں اس کو مزید بے چینی سے دوچار کرتا ہے۔

کہانی کار نہ صرف مقامی سطح پر ابھرنے والی سراسیمگی اور حالات کے دائرے میں رہتے ہیں بلکہ عالمی منظر نامے پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ موجودہ دور کے وہ تمام مکروہ عناصر جن کے اثرات پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، مصنف کی کہانیوں میں نظر آتے ہیں۔ ان عناصرِ تخریبی کا بڑا پہلو دہشت گردی ہے جو ایک بین الاقوامی المیہ بن چکا ہے اور جس نے دنیا بھر کے لوگوں کو ذہنی اور جسمانی طور پر مفلوج کیا ہوا ہے۔ "کفارہ" اسی تناظر میں لکھا گیا افسانہ ہے جو فراریت اور مقامیت پر مبنی ہے۔ کہانی کا کردار کیپٹن داؤد شاہ حالات اور شر پسندی کے باعث نفسیاتی الجھن کا شکار ہے۔ ملکی سرحدوں پر بہ امرِ مجبوری دہشت گردوں کی مدد کرتا ہے لیکن یہ تعاون مستقبل میں ایک مستقل پچھتاوے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس داغِ ندامت کو مٹانے کے لیے وہ ذہن کے مختلف دریچوں سے جھانک کر چھٹکارے کا راستہ تلاش کرتا ہے مگر بے سود۔ وہ ہمہ وقت ایک ذہنی تناؤ کا شکار رہتا ہے۔ اپنے داغ دار ماضی کے باعث اُسے ہر چیز سے خون کی بو آنے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ خوشبو کی دکان میں بیٹھ کر بھی اس کی نتھنوں سے وہ بو الگ نہیں ہوتی۔

" محبت خطِ تنسیخ کی زد میں" ایک کثیر الجہت افسانہ ہے۔ بلحاظِ عنوان اگرچہ رومانیت کا گمان ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ معاصر حالات کی غمازی کرتا ہے۔ مغرب کی ریشہ دوانیاں، دہشت گردی، سیاست برائے سیاست، معاشرے کی بے حسی، گلوبلائزیشن، تیسری دنیا کی مظلومیت اور ان پر بے جا تسلط، کمزور ممالک کے خلاف بنائے جانے والے ہتھکنڈے جیسے مسائل اور شرور اس میں زیرِ بحث آئے ہیں۔ کہانی کی بُنت چست اور الفاظ وتراکیب کا چناؤ خوب صورت ہے۔ شعور کی رو بالخصوص خود کلامی (Monolog) نے کہانی اور کردار نگاری میں جان پیدا کی ہے۔ فی الواقع خود کلامی وہ طریقۂ تحریر ہے جس سے کسی کردار کے باطن کو بہ آسانی آشکار کیا جا سکتا ہے۔ چوں کہ زبیر شاہ کی افسانہ نگاری کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ کردار تراشتے ہوئے ظاہر سے زیادہ اس کے باطن کو تلاشتے ہیں۔ قدرت اللہ خٹک اپنے ایک مضمون میں اس حوالے سے لکھتے ہیں :

" ڈاکٹر زبیر کے ہاں اگرچہ کرداروں کی ظاہری تراش خراش کا خلا موجود ہے لیکن وہ اُن کے ظاہر سے زیادہ باطن کریدتے ہیں اور اُن کے رویوں اور جبلتوں کے تحت تانے بانے بُنتے ہیں۔"[12]

ایک کامیاب کردار نگاری کا راز بھی یہی ہے کیوں کہ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ ہر عمل انسان کے باطن سے پھوٹتا ہے۔ اس لیے ضروری امر یہ ہے کہ کردار نگاری کے لیے کسی کردار کے ظاہر سے زیادہ اس کے داخل پر ہی توجہ دی جائے۔ زبیر صاحب کہانی کا ہنر جانتے ہیں۔ جس حقیقت کی وہ ترجمانی کرنا چاہتے ہیں، اپنے قاری پر اس کی تمام پرتیں کھولنے کا ہنر ان کو آتا

ہے۔وہ معاشرے میں موجود کسی مسئلے،واقعے یا برائی کا جس طرح مشاہدہ کرتے ہیں، اسی صورت میں پوری حقیقت اور واقعیت کے ساتھ افسانے کے سانچے میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں۔ تخیلات سے زیادہ حقیقی احساسات اور مشاہدات کی یہی فن کاری ان کا خاصا ہے۔

باالفاظِ دیگر ڈاکٹر موصوف افسانہ نہیں لکھتے بلکہ حقیقت کی گتھیاں سلجھاتے ہیں۔ عصری ماحول اور حالات کی ترجمانی مصنف کے فن کا محور ہے۔وہ حقائق سے منہ موڑ کر نہیں رہتے بلکہ اس کو بہترین الفاظ کا جامہ پہنا کر پیش کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے بہت کم عرصے میں وہ افسانے کے ایک خاص مقام پر پہنچ گئے۔یوسف عزیز زاہد کے بقول:

" زبیر شاہ نئی نسل کا نمائندہ ہے۔ نئی نسل اپنی حیاتیاتی تندی کے باعث زیادہ فعال، عمل اور ردِ عمل میں زیادہ سرعت کی حامل ہوتی ہے۔زبیر شاہ کے نئے افسانوی مجموعہ "یخ بستہ دہلیز" میں یہ تُندی اور تیزی، فعالیت، عمل اور ردِ عمل نمایاں طور پر دکھائی بھی دیتے ہیں اور محسوس بھی ہوتے ہیں۔"13؎

خالد سہیل ملک کے نزدیک:

" سید زبیر شاہ کا شمار اپنی نسل کے ان قلم کاروں میں ہوتا ہے کہ جو اپنی محنت سے اپنی عزت کماتے ہیں۔زبیر کا ادبی سفر میرے سامنے ہی شروع ہوا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے علمی اور ادبی حلقوں میں اپنی شناخت بنالی۔"14؎

ایک اچھا ادیب ماحول کا مشاہدہ ہر زاویے سے کرتا ہے۔وہ ماضی کی تاریکیوں سے حال کے لیے روشنی اور مستقبل کے لیے روشن راستے متعین کرتا ہے۔مسائل کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ حل بھی تلاش کرتا ہے۔اچھائی اور برائی، کامیابی اور ناکامی کے سربستہ رازوں کا پردہ چاک کر کے راہ ہموار کرتا ہے۔یہی خوبیاں زبیر شاہ کے "یخ بستہ دہلیز" میں نمایاں ہیں۔الجھے مسائل کا سلجھاؤ، نفسیاتی اور سماجی الجھنوں کا بے باکانہ مقابلہ، ماحول اور معاشرے کے نبض کو ٹٹول کر مختلف کمزوریوں کا کھوج لگانا اور پھر ان کا خوش اسلوبی سے حل بتانا مصنف کی افسانہ نگاری کا نمایاں وصف ہے۔وہ عصری ہنگاموں کا شعور و ادراک رکھتے ہیں۔ماضی سے منہ نہیں موڑتے بلکہ ایام گذشتہ کو حالاتِ حاضرہ کی کسوٹی پر پرکھ کر آئندہ کا سفر جاری رکھتے ہیں۔افسانہ "برفاب زمانے" میں ان پہلوؤں کا عکس ملتا ہے۔ کہانی فنی فکری ہر دو حوالوں سے مؤثر ہے۔اس کا کینوس تقریباً ایک صدی پر پھیلا ہوا ہے جس کے تانے بانے منٹو کے "نیا قانون" سے ملتے ہیں۔ کہانی کار نے منٹو کی بنیاد پر نئے متن کی عمارت کھڑی کر کے بین المتونیت کا کامیاب تجربہ کیا ہے۔ فکری لحاظ سے موضوع دلچسپی کا حامل ہے جس میں مقامی سطح پر جارحانہ پالیسی، حالات کا جمود، سیاست دانوں کا عوام کو سبز باغ دکھا کر ان سے اپنے سیاسی مفادات حاصل کرنا، اظہار رائے پر پابندی اور نسل در نسل محرومیوں کا ذکر زیر بحث رکھا گیا ہے۔اظہر اور اصغر مرکزی کردار ہیں جو منٹو کے افسانے کے کردار "منگو کوچوان" کی اگلی نسل ہے۔ناموں میں یکسانیت کے باعث قاری الجھن کا شکار ہوتا ہے مگر سمجھنا مشکل نہیں۔ موصوف نے مذکورہ بالا کرداروں کے ذریعے سیاسی لٹیروں اور غاصبوں کا مکروہ چہرہ بڑی بے باکی سے بے نقاب کیا ہے۔انہوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ان غاصبوں کے خلاف آواز اٹھانے والے کردار (منگو کوچوان) اگرچہ وقتی طور پر دبائے گئے تھے لیکن اس کی اگلی نسل میں وہ پھر اظہر اور اصغر کی صورت میں پیدا ہوئے۔

" اب اظہر اور اصغر کی صورت میں ان کی فقط دو یادگاریں باقی رہ گئی تھیں۔راوی کا خیال ہے کہ ان دونوں میں سیاسی و سماجی مسائل کا شعور ان کے دادا کی خصلت کا پرتو ہے حالانکہ منگو کوچوان کی طرح یہاں بھی تعلیمی حیثیت صفر کے برابر تھی۔"15؎

مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر سید زبیر شاہ جدید افسانے کا توانا نام ہیں جو اکیسویں صدی کے لکھاریوں میں ایک منفرد اور جاندار اسلوب کے مالک ہیں۔ان کی کہانیاں فن و فکر کے ہر زاویے پر مکمل نظر آتی ہیں۔ان کے افسانے معاشرے کے دکھی اور مختلف الجھنوں میں ڈوبے انسان کی آواز ہیں۔ان کے ہاں ہمیں عصری سیاسی اور سماجی شعور بیدار نظر آتا ہے۔ کسی بھی موضوع پر لکھتے ہوئے ان کا قلم ڈگمگاتا نہیں بلکہ بڑی بے باکی اور پوری صداقت کے ساتھ کہانی تحریر کرنا زبیر شاہ کی فنی مہارت ہے، جبھی تو یوسف عزیز زاہد نے انہیں نئی نسل کا نمائندہ افسانہ نگار کہا ہے۔

References

[1] Qudrat ullah khatak, “yakh basta dehleez par dastak”,seh mahi "Funzad".shumara 18. october ta december 2018.page 130

[2] Pehli Qist , mashmoola : “yakh basta dehleez”, Araaf printers , Peshawar, 2017, P:33

[3] Muhammad Ahmad.urdu afsany ka irteqaie jaiza.web page "urdu mehfel" dad aarg 2014

[4] Yakhbasta Dehleez, mashmoola : “yakh basta dehleez”, Araaf printers , Peshawar, 2017, P:44

[5] Tahir tonsvi Doctor. Naya afsana our qari.irfan afzal printer lahor 2014.page 47

[6] Aurang zaib niazi doctor.urdu sokhan pakistan.seh mahi "Abshar".shumara 5.page 46

[7] Hybernation, mashmoola : “yakh basta dehleez”, Araaf printers , Peshawar, 2017, P:82

[8] Sard Sehra, mashmoola : “yakh basta dehleez”, Araaf printers , Peshawar, 2017, P:86

[9] Yusaf aziz zahid,Yakh basta dehleez”, Araaf printers , Peshawar, 2017, P:14

[10] Qudrat ullah khatak.yakh basta dehleez par dastak.seh mahi "funzad".shumara 18.october ta december 2018, P:131

[11] Hujoom e Marg, mashmoola : “yakh basta dehleez”, Araaf printers , Peshawar, 2017, P:107

[12] Qudrat ullah khatak.yakh basta dehleez par dastak.seh mahi "funzad".shumara 18.october ta december 2018, P:131

[13] Yusaf aziz zahid,Yakh basta dehleez”, Araaf printers , Peshawar, 2017, P:14

[14] Khalid sohail malik.As above...page 18 (complete it)

[15] Barfaab zamanay, mashmoola : “yakh basta dehleez”, Araaf printers , Peshawar, 2017, P:130